اوریا مقبول جان

تعلیم کے لئے مغرب سے ملنے والی

ایک ارب ڈالر کی کہانی

زیر نظر مضمون میں انگلش میڈیم سکول میں پڑھائی جانے والی بعض نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر بتایا گیا ہے کہ ان میں نوخیز ذہنوں کو تباہ کرنے اور مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے لئے کس فن کاری سے کام لیا گیا ہے۔ پاکستانی ملت کی نئی نسل کو اس تعلیمی نظام کے ذریعہ اسلامی تہذیب سے باغی بنانے کی جو سازشیں ہورہی ہیں اور پیسے کی خاطر ہمارے اپنے ہی لوگ اہل مغرب کے ہاتھوں فروخت ہو کر، جو تباہ کن کردار ادا کررہے ہیں، اس کے خلاف آواز بلند کرنا، ہم سب کا دینی فریضہ ہے، بالخصوص علماء کرام کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ (ادارہ)

بچوں کی نفسیات اور نشوونما کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کے ذہن کی دیواریں ایک خالی کینوس کی طرح ہوتی ہیں، جس پر قصوں، کہانیوں، دیومالاؤں، عظیم انسان کے کرداروں اور اخلاقیات سے مزین سچی نصیحت آمیز داستانوں کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے، ایک ماحول کا فسوں طاری ہوتا ہے، ایک خوابوں کی دنیا وجود رکھتی ہے۔ خوابوں کی اس دنیا میں اچھے اور اعلیٰ کرداروں والے ہیرو ہوتے ہیں اور بُرے کرداروں والے ولن بھی۔ ایک سرزمین ہوتی ہے جس پر پھول کھلتے ہیں، موسم بدلتے ہیں، فصلیں اپنی بہار دکھاتی ہیں اور گویا اس میں جیتے جاگتے انسان بستے ہیں۔ بچپن میں جیسا ماحول اور جیسی خوابوں کی دنیا بچے کے ذہن کے کینوس پر منقش کردی جاتی ہے، وہی دنیا پوری زندگی کے لیے اس کے لیے ایک حوالہ بن جاتی ہے۔ جس طرح کے ہیرو اس کے ذہن کے پردے پر نقش ہوتے ہیں، وہ ساری زندگی اس کے سحر سے باہر نہیں نکل پاتا۔ جس طرح کی اخلاقیات وہ سیکھتا ہے، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود کسی بھی طرح کے کردار میں ڈھل جائے، اس کی اخلاقیات کا معیار وہی رہتا ہے۔

یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں بچہ اپنے وطن، اپنے علاقے اور اپنے موسموں سے محبت سیکھتا ہے۔ اسے آخری عمر میں بھی اسی ماحول کی ہواؤں کی سرسراہٹ اور مٹی کی خوشبو یاد آتی ہے۔ اس خوابوں کی دنیا اور ذہن کی سکرین پر بننے والی متحرک فلم کی ایک زبان بھی ہوتی ہے، یہ وہی زبان ہوتی ہے جسے وہ عام دنیا میں بازار جاتے، گھر میں رہتے، محبت، سیاست یا جنگ پر گفتگو کرتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔ متحرک تصویریں اگر ایک علاقے کی ہوں اور زبان وہ دوسرے خطے کی بولیں تو ایک ایسی بے ربط سے دنیا وہاں آباد ہوجاتی ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن اگر زبان، ماحول، کردار اور اخلاقیات سب کی سب ایک ہوں اور وہ اس بچے کے اپنے اردگرد کے ماحول سے اجنبی ہوں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی اپنے ماحول اور لوگوں سے بیگانگی پیدا ہوجاتی ہے اور خوابوں کی دنیا کے ماحول سے محبت اور چاہت۔

یہ ایسا خطرناک زہر ہے جو گذشتہ تیس سال سے میری قوم کے بچوں کو آہستہ آہستہ پلایا جارہا ہے۔ انہیں 0 لیول اور A لیول میں ایسی کہانیاں، قصے اور داستانیں، ایسی زبان میں پڑھائی جارہی ہیں، جو ان کے اردگرد کی زبان ہے، نہ میڈیا کی اور نہ ہی کسی شعبۂ زندگی کی۔ یہ سب اس لیے یاد آرہا ہے کہ ڈیڑھ ارب ڈالر کی سعودی امداد پر ماتم کرنے والے، گورڈن براؤن کی ایک ارب ڈالر کی تعلیمی امداد پر خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔ یہ امداد کیوں دی جارہی ہے؟ ایسی کیا خیر خواہی ہے کہ دنیا کا ہر ترقی یافتہ ملک پاکستان کو تعلیمی شعبے میں مدد دینے کے لیے تیار ہے؟ یو ایس ایڈ (US-AID) سے لے کر ڈی ایف آئی ڈی (DFID) تک

سب اداروں کے ماہرین ہمیں علم سکھانے آ رہے ہیں۔ ان کے تعلیمی ماہرین ہمارے نصاب کی نوک پلک سنوار رہے ہیں اور O اور A لیول کے امتحانات کو منعقد کروا کے ایک راستہ کھول چکے ہیں کہ ان امتحانات کے بعد آئندہ تعلیم کے لیے جب کوئی ان کی امداد یا اپنی دولت سے آکسفورڈ، کیمبرج یا ہارورڈ جائے تو اس کے دماغ کی دیواروں پر وہی ماحول ایک متحرک فلم کی طرح چل رہا ہو اور وہ جیسے ہی لندن، بوسٹن، ہائیڈل برگ یا برکلے پہنچے تو اسے یوں لگے، جیسے وہ ان خوابوں کی سرزمین پر آ گیا ہے، جو اس نے بچپن میں دیکھے تھے۔ یہاں میں صرف O اور A لیول کے کورس کی چند کتابوں کا ذکر کروں گا، ان کتابوں کا نہیں، جو ان سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں میں ہزاروں کی تعداد میں پہنچادی گئی ہیں اور جن میں تحریر قصے، کہانیاں، کردار یا اخلاقیات کا ہماری سرزمین یا علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نصاب کی چند کتابیں اور ان کی جزئیات دیکھیں اور حیرت میں گم ہوجائیں کہ آپ کون سا زہر اپنی اولاد کی رگوں میں اتار رہے ہیں۔

A Christmas Carol: پوری کتاب کرسمس کے تہوار اور عقائد کے گرد گھومتی ہے۔ وہی ماحول اور ویسی ہی رنگارنگی دکھائی گئی ہے جیسی مغرب میں ہوتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے اپنے آپ کو اس مذہب اور تہذیب سے علیحدہ محسوس نہ کریں، بلکہ اسے خواب کی صورت اپنے ذہن پر نقش کر لیں۔

The Golden Touch: یہ لیول II میں پڑھائی جانے والی یونانی دیو مالاؤں کے خداؤں کی داستانیں ہیں۔ جس بچے کو اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی سیرت پڑھنی چاہیے، اسے وینس اور کیوپڈ کے معاشقے پڑھائے جاتے ہیں۔

King Soleman Mines: یہ کہانی جنسی تعلقات اور جنسی ناہمواری کے انیسویں صدی کے تصورات پر لکھی گئی ہے۔ یہ مرد اور عورت کے چھپے ہوئے

جسمانی خزانوں کی تلاش کی کہانی ہے۔ اس میں مرد اور عورت کی جسمانی ہیئت کو انتہائی بے ہودہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب لیول IV میں پڑھائی جاتی ہے۔

The Emperor,s New Clothes and other Stories: اس کتاب میں موجود کہانی The Kiss اگر والدین پڑھ لیں تو حیرت اور شرم سے پانی پانی ہوجائیں۔

Treasure Island: یہ لیول I میں پڑھائی جانے والی کتاب ہے۔ بحری قزاقوں کا ماحول دکھایا گیا ہے جس میں قزاق اپنے قانون رکھتے ہیں اور شراب کے نشے میں دھت رہتے ہیں۔

The: Adventures of Sherlock Holmes عشق ومحبت اور رسیلے جنسی جذبات سے نچڑی جاسوسی کہانیاں۔ جو لوگ نسیم حجازی کے ناولوں میں محبت پر اعتراض کرتے ہیں اس جاسوس کی جنسی زندگی کس مزے سے پڑھا رہے ہوتے ہیں۔

Around the world in eighty days یہ لیول III کی کتاب ہے۔ اس کا ہیرو ایک شرط لگا کر دنیا کی سیر کو نکلتا ہے، جگہ جگہ شراب کے نشے میں دھت رہتا ہے اور ہر جگہ نئی محبت میں گرفتار۔

Just 50 stones : لیول I میں پڑھائی جانے والی گوری نسل کے تعصب کے لیے یہ مشہور مصنف رڈیار کپلنگ کی تحریر ہے۔ کتاب میں خدا کو ایک عظیم جادوگر دکھایا گیا ہے جس نے پہلے زمین بنائی پھر سمندر۔

Tales of king Arther: یہ بادشاہ کی ملکہ Guinevere کی ایک اجنبی سے خفیہ عشق کی داستان ہے۔

یہ چند کتابیں تھیں جو ہمارے انگلش میڈیم سکولوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ ان کی طویل فہرست میں سے چند اور یہ ہیں:

The brave little Tailor,The canterville ghost, Heroes and Heroines,The golden ghost and stories, The gift and other

stories, A Mid summer night,s dream, Great expectations.

ان تمام کہانیوں میں جو ماحول، کردار، اخلاقیات اور طرز زندگی ہے، وہ سب کا سب مغرب کا ہے، جو ان بچوں کے ذہنوں پر متحرک فلم کی طرح نقش کیا جارہا ہے۔ اسی لیے جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو انہیں نہ سرسوں کے کھیت اچھے لگتے ہیں اور نہ اوپلوں والی دیواریں، انہیں دھوتی کرتا پہننے والا شخص جاہل نظر آتا ہے اور ڈاڑھی والا شخص دہشت گرد۔ انہیں اپنے ملک کے گلی محلوں سے بو آتی ہے۔ انہیں یہاں کا ہر شخص بد دیانت، چور، بداخلاق، بیہودہ اور تہذیب سے عاری لگتا ہے۔ ان کی اخلاقیات میں کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی شامل نہیں، جو ڈاکوؤں کے خوف میں بھی سچ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، بلکہ وہ تو سنڈریلا پڑھتے ہیں، جو ماں سے جھوٹ بول کر گھر سے نکلتی ہے۔ یہ ہے اس ایک ارب ڈالر کی کہانی، جو مغرب سے ہمیں امداد کی صورت میں مل رہا ہے۔ یہ ہے اس ملک پر مغرب کی مہربانیوں کی داستان، یہ ہے اس زہر کا قصہ جو ہماری رگوں میں اتارا جارہا ہے، لیکن برا ہو ہمارے مسلکی اختلاف کا کہ ہمیں ایران اور سعودی عرب کے پیسوں اور مدد پر شور مچانا آتا ہے، ہمارے مذہبی رہنما روز ٹیلی ویژن پر غصے سے تھوک اگل رہے ہوتے ہیں، لیکن انہیں اس سرمائے اور غیرملکی امداد کے خلاف بات کرنے کی فرصت نہیں، جس سے ایک ایسی قوم تیار ہورہی ہے، جسے ایک دن اذان کی آواز، مسجد کے مینار اور قرآن کی تلاوت بھی اجنبی لگے گی۔ (بشکریہ روزنامہ دنیا)

مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ

عالم اسلام
اور اس کے حالات کی بہتری کی واحد صورت

صحیح دینی شعور (جو اسلامی تعلیم وتربیت کا لازمی نتیجہ ہے) ان حالات کی اصلاح اور خوشگوار تبدیلی کے لیے بالکل کافی اور اس کا ضامن تھا، لیکن بدقسمتی سے وہ خود اپنی طاقت کھو چکا تھا، دوسری طرف مغرب کی مادہ پرست تہذیب مبالغہ اور بلند آہنگی کے ساتھ ''حریت ومساوات'' کا نعرہ بلند کررہی تھی، اور قدیم طرز زندگی اور ماحول کو یکسر بدل دینے کے درپے تھی (خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوسائٹی میں ایک عام بے چینی اور بددلی پھیل گئی، ان حالات کے خلاف دلوں میں نفرت، کراہت اور بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑا، اور انجام اور نتائج سے قطع نظر، یہ آگ برابر تیز ہوتی گئی، اسلامی ممالک میں جو آئے دن فوجی انقلابات اور بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں، اس کا راز اور اصل سبب یہی بے چینی اور بددلی ہے۔

شاید عالم اسلام میں ان انقلابات کی صلاحیت دوسرے ممالک کے مقابلہ میں اس لیے بھی زیادہ ہے کہ عالم اسلام میں ہزار کمزوریوں کے باوجود دینی شعور اور دینی جذبہ بہرحال موجود ہے، جو احتجاج وبغاوت اور اصلاح حال کی عملی جدوجہد پر کسی نہ کسی وقت آمادہ کردیتا ہے، اور لوگ غلط اور صحیح طریقہ پر موجودہ صورتحال سے چھٹکارا حاصل کرلیتے ہیں۔

بہرحال جب تک عالم اسلام کے کسی حصہ میں پسماندگی اور کمزوری چھائی جاتی ہے، جب تک اس کے بعض طبقوں کی غربت وافلاس کا یہ عالم ہے کہ اس کے لاکھوں افراد کو ایک وقت کا کھانا اور بدن ڈھکنے کے لیے کپڑا میسر نہیں، جب تک ایک حلقہ میں بے اندازہ دولت اور مجرمانہ زر اندوزی اور عوام کی دولت کا بے حیائی

کے ساتھ استعمال اور بے عقلی جنون کی حد تک جاری ہے، جب تک امراء واہل ثروت کے تعیش اور فسق وفجور کے افسوس ناک قصے زیب داستان ونقل محفل بنے رہتے ہیں، جب تک جہالت وناخواندگی عام ہے، اور عوام کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم ہے، اور عالم اسلام (جس کا بڑا حصہ مشرق میں واقع ہے) یا اس کے کسی حصہ کی وہی صورتحال قائم رہتی ہے، جس کی تصویر بیسویں صدی کی ابتدا میں ترکی کے مشہور اسلامی مفکر، شاعر وادیب محمد عاکف نے بڑی خوبصورتی سے کھینچی ہے تو حساس طبیعتوں کا اس دردناک صورت حال کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوجانا، ہرطرح قریب قیاس ہے، محمد عاکف اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

''لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے مشرق کی اتنے عرصے تک سیاحت کی، آخر تم نے کیا دیکھا؟ میں کیا بتاؤں، کیا دیکھا، میں نے اس سرے سے اس سرے تک ویران بستیاں، بے سری قومیں، ٹوٹے پھوٹے پل، بند نہریں، سنسان سڑکیں دیکھیں، میں نے جھریاں پڑے چہرے، جھکی ہوئی کمریں، خالی دماغ، بے حس دل، الٹی عقلیں دیکھیں، میں نے ظلم، غلامی، خستہ خالی، ریا کاری، قابل نفرت برائیاں، طرح طرح کی بیماریاں، جلے ہوئے جنگل، ٹھنڈے چولھے، بنجر کھیت، میلی صورتیں، ننگے ہاتھ پاؤں دیکھے، میں نے بے جماعت کے امام دیکھے، بھائی کو بھائی کا دشمن دیکھا، دن دیکھے جن کا کوئی مقصد نہیں، راتیں دیکھیں جن کی کوئی صبح نہیں۔'' (ترقی میں مشرق ومغرب کی کشمکش، ص/۱۹۳)

جب تک ان ممالک کے علمائے دین اور رہنمایان ملت اپنے دینی فریضہ کی ادائیگی اور امراء اغنیاء کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت سے محروم ہیں، اور مناصب اور عہدوں کے لیے کشمکش یا غیراہم اختلافی مسائل پر جنگ وجدال اور زور آزمائی اور رسہ کشی ان کی روایت بنی رہتی ہے، جب تک دینی تربیت، زہدوتقویٰ، عزت نفس اور اخلاق ودینی جرأت کی عملی مثالیں تقریبا مفقود ہیں، جب تک مخالف

پروپیگنڈا اور مخالف تحریکیں اور نظریات، اسلامی معاشرہ میں چور دروازے سے (اور بعض اوقات علی الاعلان) برابر داخل ہوتے رہتے ہیں، اور ان کو عالم اسلام کی اس آبادی میں کام کرنے کا پورا موقعہ مل سکتا ہے، وہاں کے اجتماعی، اقتصادی واخلاقی حالات ان کو سہارا دیتے ہیں، اور ان کے مقصد کو تقویت پہنچانے کا باعث بنتے ہیں، جب تک یہ غیرفطری اور غیراسلامی صورتحال ان اسلامی ممالک میں برقرار رہے گی، اس وقت تک یہ ممالک اخلاقی وسیاسی انتشار سے دوچار اور سیاسی وفوجی انقلابات کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے، یہ ممالک آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ پر کھڑے ہوئے ہیں، جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔

اس صورت حال کا علاج

اس صورت حال کو کوئی فوجی طاقت، کوئی تعزیر اور سزا اور کوئی احتساب ونگرانی روک نہیں سکتی، اور نہ اخباری اور ریڈیائی پروپیگنڈہ، مال ودولت کے ذریعہ قلب وضمیر کی خریداری، سفارتوں کی پر تکلف اور شاندار تقریبات، اہل دین کو خوش کرنے کے لیے کچھ منصوبے، بین الاقوامی اسلامی کانفرنسیں اور سیمینار، جن سے ان ملکوں کی اسلام سے دلچسپی کا وقتاً فوقتاً اعلان کیا جا رہتا ہے نہ محدود ادارے اور دینی مظاہر اس انقلاب اور بغاوت کا راستہ روک سکتے ہیں۔

اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ حقائق اور واقعات کا جرأت ودوراندیشی اور صحیح دینی روح اور دینی بصیرت کے ساتھ سامنا کیا جائے، اور ملک میں دین کی صحیح تعلیم کے مطابق ہمہ گیر، صالح اور ضروری تبدیلی کے لیے صدق دل اور اخلاص کے ساتھ کوشش شروع کی جائے، جن چیزوں کا ازالہ اور سدباب ضروری ہو، ان کا سدباب کیا جائے، جن اصلاحات کا نفاذ اور جن اسکیموں کا آغاز ضروری ہو، ان کے آغاز میں دیر نہ کی جائے، اسلام، قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں اور اسلامی حدود کے مطابق معاشرہ میں مساوات اور انصاف قائم کیا جائے، اہل ملک کی خوشحالی

اور فارغ البالی کے لیے ضروری قدم اٹھائے جائیں، کم ازکم جمہور کے ہر فرد کے لیے امکانی حد تک ضروریات زندگی کا بندوبست ہو، اس بے جا اسراف اور حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی کو ختم کیا جائے، جو عوام کی حقیقی ضروریات بھی پوری ہونے نہیں دیتی، اغنیاء واہل ثروت میں ایثار کا مادہ، اور ضروریات سے فاضل مال کے خرچ کا جذبہ اور ''**یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو**'' پر عمل کرنے کا شوق ہو اور فقراء میں استغناء خودداری اور اپنے گاڑھے پسینہ اور محنت وقابلیت سے اپنی ضروریات زندگی کے بندوبست کا جذبہ ہو، نظام تعلیم کو نئے سرے سے اس طرح ڈھالا جائے کہ وہ اسلام کے عقائد واصول اور عصر جدید کے تغیرات اور علوم و وسائل دونوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور دونوں کے تقاضے پورے کرتا ہو اور نئی نسل میں ایک طرف ایمان ویقین، اخلاقی قوت، استقامت، خوداعتمادی وخودداری، اپنے دین پر غیرمتزلزل یقین اور اس کے لیے قربانی کا جذبہ، دوسری طرف قوت ایجاد، فکری استقلال، بلند ہمتی اور اولوالعزمی پیدا کرے اور جرأت وذہانت کے ساتھ مغرب کا مقابلہ کرنے کا جوہر اور اوصاف پیدا کرسکے۔

اس انتشار اور بغاوت سے بچنے کے لیے عوام میں دینی روح، طاقت ور ایمان، اخلاقی حس اور اسلامی شعور پیدا کرنا ہوگا، اس ذہنی انتشار اور بے دلی اور بغاوت کے جراثیم کا خاتمہ کرنے کے لیے ان کے اسباب ومحرکات کا مکمل ازالہ، حالات کی عمومی اصلاح، اور سیرت وکردار میں تبدیلی کی ضرورت ہے، مغرب سے وہ لینا ہوگا جو اسلامی ممالک اور معاشرہ کے لیے مفید اور اس کے عقیدہ سے ہم آہنگ ہے اور بجائے خود کوئی عملی اور ایجابی افادیت رکھتا ہے، اور قوم وملک کو مضبوط کرسکتا ہے، اور زندگی کی جدوجہد، سرفروشی اور دعوت الی اللہ کے مقصد میں مفید ہوسکتا ہے۔

واحد راہ

اسلامی مشرق میں قیام امن کے لیے اور مسلمان اقوام کو اپنے عقیدہ واسلامی

زندگی پر قائم رکھنے کے لیے آج کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہے، زیادہ ٹھوس علمی تعبیر میں ''عالم اسلام کو دراصل ایک ایسی ترقی پذیر عادلانہ سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے، جس میں اسلامی طریقۂ زندگی کو اپنے عملی وثقافتی اظہار اور نمود کا پورا موقع مل سکے۔'' (یہ تعبیر محمد اسد صاحب کی کتاب Road Mecca سے لی گئی ہے۔

شمس الحق ندوی

معاشرہ کو بدلنے کے لئے
سوز دل کی ضرورت

اس وقت مسلمانوں میں بے دینی اور من مانی زندگی گذارنے کا جو عام ماحول بنتا جارہا ہے، خصوصا مالداروں کی بڑی تعداد میں یہ مرض برابر بڑھتا ہی جارہا ہے، اس کا یہ سبب نہیں کہ وہ دین سے بیزار ہیں، بلکہ دنیا طلبی، عزت وجاہ کا سودا، دولت کا عشق، اور کمانے اور مال جمع کرنے کی نہ بجھنے والی پیاس ہے، جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

"**وتحبون المال حبا جما**" (**سورہ الفجر/۲۰**) (اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو)۔

مال کی یہ محبت اگلی زندگی سے بےفکر وغافل کردیتی ہے، مادیت کا غلبہ اور اس کی ایسی دُھن سوار ہوجاتی ہے کہ نجات کا خیال، رضائے الٰہی کے حصول کا شوق اور اس کے عذاب کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، اور کھانے پینے اور پہننے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں رہتی، ایسے لوگوں کا بڑا وقت چونکہ آخرت اور خدا سے غافل لوگوں کے ساتھ گناہوں اور عیش میں انہماک کے ماحول میں گذرتا ہے، اس لیے ان کا دل مردہ ہوجاتا ہے، اور دینی اور اخلاقی حس ختم ہوجاتی ہے جس سے نیک وبداور حرام وحلال کی تمیز جاتی رہتی ہے، ایسے غافل اپنے اخلاق وکردار، معاشرت، آداب اور رہن سہن میں کافروں اور خدا کے باغیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہتے، بالکل انہیں کی طرح بے تکلف شراب پیتے ہیں اور خلاف شرع کاموں میں لت پت ہوجاتے ہیں، اسراف وفضول خرچی، ناچ گانے اورفسق وفجور

میں اس طرح ڈوب جاتے ہیں اور ان کے ذہن ودماغ پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں اور یہ غفلت اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ دین وشریعت کا احترام دل سے نکل جاتا ہے۔

ایسے لوگ تاریخ کے ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف حجت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور غیرمسلم یہ سمجھتے ہیں کہ یہی اسلامی تہذیب ہے۔

ان حالات میں علمائے ربانیین اور داعیان اسلام کو بڑے سخت حالات سے گذرنا پڑتا ہے، اور بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، اس وقت مادہ پرستی اور جاہ ومنصب کا جو دور دورہ ہے، داعیوں اور مصلحین کو اس میں کام کرنے کے لیے ہمت وحوصلہ، دعوت وعزیمت کے انہیں باہمت اور اولو العزم پیشواؤں کی زندگی اور سیرت وکردار سے حاصل ہوگا، جو تاریخ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں برابر کام کرتے رہے ہیں اور دین اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔

خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد بنوامیہ کے دور ہی سے عیش وطرب کا دور شروع ہوجاتا ہے، لیکن اسی ماحول میں حضرت حسن بصریؒ کے مواعظ ایسے مؤثر انداز میں ہوتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے، ہچکیاں بندھ جاتی ہیں، بغداد ترقی کے عروج پر ہے، دولت وبےفکری کا دور دورہ ہے، ہر طرف عیش وغفلت کا سمندر رواں ہے، لیکن اسی ماحول میں محدث ابن جوزیؒ کا وعظ ہورہا ہے، سینکڑوں آدمی تائب ہورہے ہیں اور بہت سے غیرمسلم مسلمان ہورہے ہیں۔ اسی بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ اور روحانی فیوض سے بڑے بڑے امراء اور شہزادے اپنے عیش وآرام کو خیرباد کہہ کر، زہد وفقر کی زندگی اختیار کررہے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور نشۂ دولت میں مخمور تائب ہورہے ہیں۔

ہندوستان میں اسلام اور مسلمان کے لیے دور اکبری سے زیادہ خطرناک کوئی

دور نہیں گذرا، لیکن مایوسی کے اسی ماحول میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس ایثار وقربانی اور حکمت ودوراندیشی سے اس کا مقابلہ کیا، اس سے اس ملک میں اسلام ومسلمانوں کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا ہوئی۔

ہندوستان کے آخر عہد میں اللہ تعالیٰ نے خاندان ولی اللہی کو اس ملک کی رہنمائی کے شرف سے نوازا، اور آل تیمور کی غلط سیاست سے دین اسلام کو جو نقصان پہنچا، اس کی اصلاح وتدارک کا کام اس خاندان کے علماء نے بہت خوبی کے ساتھ انجام دیا اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ اس کا ایک بہت روشن باب حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک دعوت واصلاح اور جہاد ہے، حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کا ایک بہت نمایاں باب تو جہاد ہے لیکن، اصلاح عقائد اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات وخرافات کی اصلاح کا جو کام آپ نے انجام دیا، اور آپ کی شہادت کے بعد آپ کے خلفاء نے جس جانفشانی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا، وہ مصلحین اور داعیوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ مولانا کرامت علی جونپوریؒ کے ہاتھوں لاکھوں کی تعداد میں لوگ تائب ہوئے، بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، بنگال کا پورا علاقہ انہیں کی مساعی کا رہین منت ہے، حضرت سید صاحب نے ان کو جہاد میں لے جانے کے بجائے اسی کام میں لگایا اور لوگوں کی کایا پلٹ ہوئی، پھر مولانا کرامت علیؒ کے خلفاء کے ذریعہ یہ کام انجام پاتا رہا، جن میں ایک بہت نمایاں شخصیت خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کی ہے، جن کے خلفاء میں مولانا فخر الدین خیالیؒ اور حضرت شاہ ضیاء النبیؒ جیسی یگانۂ روزگار شخصیتوں نے کام کیا، ادھر بستی سے نیپال کی ترائی تک مولانا جعفر علی نقویؒ کے ذریعہ دعوت واصلاح کا مثالی کام انجام پایا، دہلی اور اس کے اطراف میں جو کام انجام پائے اور جن کا سلسلہ برابر جاری ہے، انہیں اولو العزم داعیوں کی محنت کا ثمرہ ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ذکر کیا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ سید صاحبؒ کے حالات

کا علم نہ ہوگا، آپ کی کتاب (سیرت سید احمد شہیدؒ) سے میری معلومات میں اضافہ نہیں ہوا، یہ باتیں ہم نے اپنی دادیوں نانیوں سے سن رکھی ہیں کہ گھروں میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں کا چرچا رہتا تھا۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ محض لفاظی اور پرجوش تقریروں سے اصلاح وتربیت کا کام نہیں انجام دیا جا سکتا، اس کے لیے سوز دروں، تڑپ وبے کلی کے ساتھ نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی، اور ایسے انداز سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص ومحبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اثر کر جائے، فرعون جیسے خدائی کے مدعی کافر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم نبی بھیجے جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے: "**قولا له قولا لينا**" (طٰہٰ/۴۴) (تم دونوں (موسیٰ وہارون) اس سے نرمی وسہولت سے بات کرنا)۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: "**لو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك.**" (آل عمران/ ۱۵۹) (اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی "**انك لعلىٰ خلق عظيم**" (القلم/۴) (اور اخلاق تمہارے بہت (عالی ہیں) کا جیتا جاگتا آئینہ ہے، جو وارثین انبیاء کا شعار ہونا چاہیے، اوپر جن علمائے ربانیین اور دعاۃ ومصلحین کی ایک ہلکی سی تصویر پیش کی گئی، انہوں نے وراثت نبوت کا فریضہ اسوۂ نبوی ہی کو اپنا کردار ادا کیا، یہی وہ حضرات ہیں جن پر ناز کرتے ہوئے اقبال نے کہا ہے۔

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب ومستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر وتسبیح وطواف اولیٰ

شمس الحق ندوی

اسلامی بیداری کی تحریک کو
صالح غذا کی ضرورت

"یاایھا الذین آمنوا آمنوا" (مسلمانو! حقیقی مسلمان بن جاؤ)۔

دنیا کی موجودہ فضا اور حالات میں اگر امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ خود مسلمانوں میں دعوت کا کام کرنے کے لیے کن کن محاذوں پر کس طرح سے کام کرنے کی ضرورت ہے تو محسوس ہوگا کہ مسلمان اس وقت پوری دنیا میں تین قسموں میں بٹے ہوئے ہیں:

مسلمانوں میں ایک قسم تو وہ ہے، جو سامراج ذہنیت سے متاثر ہے، جو منظّم طریقہ پر مسلمانوں کو اسلام سے بدگمان اور دور کرنے کے منصوبہ سے چلائی گئی ہے اور ایک قسم وہ ہے جو مسلمان ہے اور اسلام کے کچھ احکامات پر عمل بھی کرتی ہے لیکن اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر اس کا جو کردار سامنے آتا ہے، وہ کسی طرح سے بھی اسلام کی نمائندگی نہیں کرتا ہے۔

ایک قسم ان مسلمانوں کی ہے، جو غیر مسلم اکثریت کے ساتھ رہتے ہیں، ان کا اسلامی مدارس ومراکز سے کوئی تعلق نہیں جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ وہ اسلام کی بنیادی اور موٹی موٹی چیزوں روزہ، نماز، اور حج سے ناواقف ہیں، بلکہ ان میں بہت سی باتیں غیر مسلموں کے طور طریق اور رسم ورواج کی داخل ہوگئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ شراب وکباب، ناچ گانے میں اس طرح مست ہیں جیسے دین کی انہیں کچھ خبر ہی نہیں ہے۔

پہلی قسم جو جدید پڑھے لکھے لوگوں یا یورپ میں تربیت پانے والے سربراہان مملکت اور لیڈروں یا سیاسی لوگوں کی ہے، سامراج اور یورپ کی تعلیم وتربیت نے ان کے ذہنوں کو اسلام کی طرف سے مسموم کردیا ہے، ان کو یہ باور کرادیا ہے کہ اسلام ایک ایسی طاقت ہے، جواز کار رفتہ اور ختم ہوچکی ہے، وہ قیادت تو کجا، اپنے

وجود وبقا تک کی سب صلاحیتوں کو کھوچکا ہے، وہ اس بندوق کی مانند ہے جو اپنا کارتوس چلا چکی ہے اور اب خالی ہے، یہ قسم پڑھے لکھے اور جدید افکار ونظریات سے متاثر لوگوں کی ہے۔

ایسے لوگوں کو اسلام کی طرف ازسرنو بازگشت کے لیے ایسا طاقتور مدلل لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے، جو اسلام پر ان کے اعتماد کو پھر سے بحال کر سکے، اس طبقہ کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ یہی وہ طبقہ ہے، جو اپنی سیاسی سرگرمیوں یا حکومت واقتدار کی وجہ سے ملک ومعاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، یہی نصاب ونظام تعلیم بناتا ہے، یہی ملک کے اصول وضوابط متعین کرتا ہے اور جو اقتدار میں نہیں، وہ دوسرے ذہنوں کو متاثر کرتے ہیں، لیکن اس طبقہ میں دعوت کا کام ہر ایک کے بس کی بات نہیں، یہاں وہی اہل قلم دعوت کی خدمت انجام دے سکتے ہیں، جن کا مطالعہ متنوع اور گہرا ہو، دنیا کے مختلف ملکوں کے رجحانات اور ذہنیتوں سے واقف ہوں، جدید قوانین پر بھی ان کی نظر ہو تاکہ پوری قوت کے ساتھ مدلل طریقہ پر اسلام کی حمایت وکالت کرکے، ان ذہنوں کو صاف کرسکیں، جن کے اندر اسلام کی طرف سے اس کی ہمہ گیری اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی رہنمائی کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کردیے گئے ہیں۔

اس کے لیے شیخ احمد سرہندیؒ کے حکیمانہ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مدبرانہ طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ شعلہ بار تقریروں اور مشتعل کردینے والے انداز تحریر کی، اس دور پرفتن میں ان دونوں حضرات کے طریق کار اور دردوسوز سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے کہ انداز تقریر وتحریر نرمی، سہولت، آہستگی اور دانشمندی کا ہو، جس سے مخاطب پر، صاحب کلام کے خلوص ومحبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اتر جائے، کلام ربانی سے بڑھ کر اور کہاں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائی کے دعویدار فرعون کے پاس بھیجا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: "وقولا لہ قولا لینا" (تم دونوں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام فرعون سے نرم گفتگو کرنا)۔

دوسری قسم وہ ہے جو مسلمان ہے، اسلام کی کچھ چیزوں پر عمل بھی کرتی ہے

لیکن اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر اس کی جو تصویر سامنے آتی ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس طبقہ میں دعوت کا کام کرنے کے لیے پبلک جلسوں، ملاقاتوں اور اسلامی اخلاق ومعاملات کے موضوع پر تقریروں کے ذریعہ ان کی تربیت کی ضرورت ہے، ان کے اندر یہ احساس وشعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان کی زندگی کا ہر ہر عمل اگر دین وشریعت کی روشنی میں کیا جائے تو عبادت ہے اور ایسا نہ کرنے پر دنیاوی زندگی میں بھی مصائب وپریشانیاں آتی ہیں، آخرت کی گرفت وسزا تو متعین ہے ہی، اس میں کسی صاحب ایمان کے لیے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

مگر اس طبقہ میں دعوت کا کام کرنے کے لیے ایثاروقربانی کی ضرورت ہے، وقت لگانے اور مشقت جھیلنے کی ضرورت ہے، دعوت کا کام ہے ہی ایسا کہ مشقت کے بغیر نہیں ہوسکتا، تمام انبیائے کرام ، علمائے ربانیین کی زندگیاں اس کا کھلا ہوا ثبوت ہیں، صرف کہنے اور لکھنے سے کام نہیں ہوتا، اس کے لیے تو محنت اور مشقت کی ضرورت ہے۔

تیسری قسم ان مسلمانوں کی ہے، جو نسلی طور پر مسلمان ہیں مگر غیرمسلم اکثریت کے ساتھ رہنے اور تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے سبب اسلام سے بہت دور ہیں۔ اسلامی مراکز ومدارس سے ان کا کوئی تعلق ہے نہ کوئی ان کی دست گیری کرنے والا ہے، ان پر غیرمسلم اکثریت کے رسوم ورواج اور بہت سے عقائد تک کی چھاپ ہے، ٹونے ٹوٹکے ان میں عام ہیں، کلمۂ اسلام سے بھی وہ واقف نہیں۔

مسلمانوں کی اس قسم میں دعوت کا کام کرنے کی سب سے مؤثر ومفید شکل یہ ہے کہ وہاں مکاتب کھولے جائیں، ان کو اسلام کی موٹی موٹی باتیں بتائی جائیں، اور کثرت سے تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت ہو، تاکہ ان کی دینی حس بیدار ہو، دین سیکھنے اور اپنی نئی نسل کو دین کا علم سکھانے کا ان میں جذبہ وداعیہ پیدا ہو اور اس کی طرف راغب ہوں۔

ہمارا یہ دور مادیت کا دور کہلاتا ہے، مادیت کا ایسا دور دورہ ہے کہ ہر کام

کرنے والا پہلے اپنے ذاتی منافع کا جائزہ لیتا ہے پھر اس بنیاد پر کام شروع کرتا ہے، اسلاف کے اخلاص وجانفشانیوں، ایثار وقربانیوں کا پہلو اس کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بہت کچھ کرنے کے بعد بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا اور محنت ضائع جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس گئے گذرے دور میں بھی کچھ ایسے افراد اور خدا کے مخلص بندے موجود ہیں، جو بلاخوف لومتہ دعوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، اس لیے کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا۔

یہ بات قابل شکر ہے کہ ساری خرابیوں اور بگاڑ کی باوجود دنیا کے مختلف ملکوں میں خصوصا نوجوانوں میں اسلامی بیداری کی ایک لہر پائی جاتی ہے، لیکن اس لہر کو صالح غذا کی ضرورت ہے اور یہ صالح غذا اس وقت میسر آسکے گی، جب دعوت کے ان تینوں محاذوں پر کام کیا جائے، جن کا اوپر ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل خاص سے کام کرنے والوں کو نیک توفیق سے نوازے اور ان کی کوششوں کو بارآور کرے۔ آمین